مزارعت کیوں ناجائز؟

مولانا محمد طاسین

زیرِ نظر تحریر، محترم ڈاکٹر محمد صغیر حسن صاحب معصومی کے ان دو مضامین سے متعلق ہے جو ماہنامہ فکر و نظر بابت دسمبر ۱۹۸۲ء میں بعنوان "کیا مزارعت ناجائز اور مکان کا کرایہ ربٰو ہے" اور مارچ ۱۹۸۳ء میں بعنوان "جواب الجواب" شائع ہوئے۔ چونکہ ان مضامین میں کچھ باتیں میرے اس مضمون کے رد میں تھیں جو فکر و نظر ہی میں زیر عنوان "مزارعت کی شرعی حیثیت" شائع ہوا۔ لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ان باتوں کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

لیکن پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے مزارعت پر جو خاصا مفصل مضمون لکھا اسے لکھتے وقت میں ہرگز اس خوش فہمی میں مبتلا نہ تھا کہ میرے اس مضمون کو جو اہلِ علم پڑھیں گے فوراً مزارعت کے عدم جواز کے قائل ہو جائیں گے اور پھر پاکستان سے مزارعت کا خاتمہ ہو جائے گا، کیونکہ مجھے ان وجوہ کا اچھی طرح علم ہے جن کی بنا پر بعض علماء کرام مزارعت کو جائز کہنے پر مجبور ہیں۔ نیز میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ جن لوگوں کا معاشی مفاد مزارعت سے وابستہ ہے وہ علماء کے وعظ و نصیحت سے کبھی اس کو نہیں چھوڑ سکتے اگر وہ کبھی اس کو چھوڑیں گے تو صرف حالات کے دباؤ کے تحت چھوڑیں گے۔ پھر جس ملک میں ربا اور سود جیسے معاملے کا عام رواج ہو جس کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں وہاں سے مزارعت کیسے ختم ہو سکتی ہے جس کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز ہونے میں اختلاف ہے۔ ہاں تو میں نے یہ مضمون جس مقصد کے تحت لکھا وہ یہ ہے کہ علماء کے درمیان مزارعت کے جواز اور عدم جواز کے متعلق جو اختلاف ہے یہ اختلاف، اسلام کے حقیقی اور مثالی معاشی نظام کے تعین کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ وہ یوں کہ اگر مزارعت اصولاً جائز ہو تو اسلام کا حقیقی

معاشی نظام ایک اور طرح متشکل ہوتا ہے اور ناجائز ہو تو ایک دوسری شکل بنتی ہے اور دونوں میں نوعیت کے لحاظ سے بنیادی فرق واختلاف پایا جاتا ہے۔ آج اس کی اشد ضرورت ہے کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے مقابلہ میں اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں پیش کیا جائے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلام کا معاشی نظام بنیادی اور افادی طور پر اشتراکیت اور سرمایہ داری سے کیسے بہتر ہے۔ لہٰذا علمائے اسلام کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ پوری بحث و تحقیق سے یہ متعین کریں کہ مزارعت، اسلام میں اصولی طور پر جائز معاملہ ہے یا ناجائز؟ "اصولی طور پر" اس لئے کہا ہے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز اصولی اور حقیقی طور پر ناجائز اور خاص طرح کے حالات میں اضافی اور وقتی طور پر جائز ہو لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز اصولی طور پر ناجائز بھی ہو اور جائز بھی، کیونکہ اسی کا نام تضاد ہے جو ایک صحیح دین میں نہیں پایا جا سکتا۔ مطلب یہ کہ اگر مزارعت اصولی طور پر ایک جائز معاملہ ہے تو اصولی طور پر ناجائز نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے برعکس۔ اسی طرح یہ کہنا کہ فلاں امام کے نزدیک مزارعت جائز اور فلاں کے نزدیک ناجائز ہے اسلام کے لئے نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اس سے اسلام کا معاشی نظام غیر متعین ہو کر رہ جاتا ہے اور مخالفین اسلام کو اس پروپیگنڈے کا موقعہ ملتا ہے کہ اسلام کا کوئی متعین معاشی نظام نہیں، جبکہ اشتراکیت کا معاشی نظام دو دو چار کی طرح متعین اور واضح ہے۔ غرضیکہ اگر موجودہ دور میں جس کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے علماء اسلام، اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں پیش کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو نئی نسل کم از کم معاشی نظام کی حد تک کسی اور نظام کو اپنانے پر مجبور ہو جائے گی اور علمار کرام اس گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔

مزارعت کے جواز و عدم جواز کے اختلاف کو دور کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان دلائل کا پورے غور و خوض سے تحقیقی جائزہ لیا جائے جو اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں اب تک پیش کیے گئے ہیں۔ نیز اس بارے میں جو مزید عقلی نقلی دلائل ہو سکتے ہیں ان کو بھی سامنے لایا جائے اور خصوصیت کے ساتھ یہ دیکھا جائے کہ اسلام جس طرح کا معاشی ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے وہ مزارعت کے جواز سے پیدا ہو سکتا ہے یا اس کے عدم جواز سے۔ میں نے اپنے اس مضمون میں

اسی طرح کی ایک کاوش پیش کی تھی میری یہ کاوش کس حد تک کامیاب اور کس حد تک ناکام رہی اس کا فیصلہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جو کھلا ذہن رکھنے کے ساتھ ساتھ حقیقت پسند اور منصف مزاج واقع ہوئے ہیں اور اسلام کے مفاد کو دوسرے تمام مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔

اب میں ڈاکٹر معصومی صاحب کے محولہ بالا مضامین کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا بڑا حصہ کراء الارض بمعنے مزارعت سے متعلق نہیں بلکہ کراء الارض بمعنے زمین کو سونا چاندی یعنی نقد کے بدلے اجارے پر دینے سے متعلق ہے جبکہ میرا مضمون صرف کراء الارض بمعنے مزارعت سے متعلق تھا۔ دراصل یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے بعض کراء الارض بمعنے مزارعت کے جواز کے قائل اور کراء الارض بالذہب والفضۃ کے عدم جواز کے قائل تھے اور بعض مزارعت کے عدم جواز اور کراء الارض بالنقدین کے جواز کے قائل تھے۔ لہٰذا میں مضمون کے اس حصہ پر اہتمام سے بحث کرنا نہیں چاہتا البتہ سرسری طور پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر اس کراء الارض کے جواز و عدم جواز کا دارومدار محض احادیث و آثار پر ہو تو پھر اس کے عدم جواز کے قائل حضرات کے پاس جواز والوں کے مقابلہ میں زیادہ احادیث و آثار ہیں، علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی جلد ہشتم میں کراء الارض بالذہب والفضۃ کے جواز اور عدم جواز سے متعلق احادیث و آثار پر کافی مفصل بحث کی اور عدم جواز والی روایات کو جواز والی روایات پر ترجیح دیتے ہوئے زیادہ قابل اعتماد ثابت کیا ہے اگرچہ مجھے ان کی بحث سے مکمل اتفاق نہیں، مطلب یہ کہ تحقیق کا تقاضا یہ تھا کہ ڈاکٹر معصومی صاحب موافق و مخالف تمام روایات کو سامنے لاتے اور علمی طریقہ سے جواز والی روایات کو عدم جواز والی روایات پر راجح ثابت کرتے۔ اور پھر یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کراء الارض بالنقدین کے جواز میں بعض ایسی احادیث نقل کر ڈالیں جو قطعاً کراء الارض بمعنے مزارعت سے متعلق نہیں مثلاً عبداللہ بن عباس کی اس حدیث کو لیجئے جو موصوف نے پہلے ہی صفحہ پر صحیح البخاری سے نقل فرمائی ہے۔ امام بخاری نے یہ حدیث "باب فضل المنیحۃ" میں بیان فرمائی ہے یہ بتانے کے لیے کہ فضیلت کی بات یہ ہے کہ انسان اپنی فاضل زمین دوسرے کو بلا معاوضہ

محض منحہ کے طور پر برتنے کے لئے دے دے اور اس سے کچھ نہ لے۔ اس حدیث کے جن الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے وہ یہ ہیں: "اما انہ لو منحہا ایاہ کان خیرالہ من ان یأخذ علیہا اجراً معلوماً" امام بخاری نے یہ حدیث کراء الارض بالذہب والفضۃ کا جواز ثابت کرنے کے لئے بیان نہیں فرمائی ورنہ وہ اس سے چند سطریں پہلے حضرت جابرؓ کی وہ حدیث بیان نہ فرماتے جس سے مزارعت اور کراء الارض کی ہر شکل صاف طور پر ناجائز ثابت ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے:۔

عن جابر قال کانت لرجال منا فضول ارضین فقالوا نؤاجرھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من کانت لہ ارض فلیزرعھا، او لیمنحہا اخاہ، فان ابی فلیمسک ارضہ (ص ۳۵۸-ج ۱ جامع صحیح مصطفائی پریس)	حضرت جابر سے مروی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کے پاس فاضل زمینیں تھیں انہوں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ کیا ہم یہ زمینیں تہائی چوتھائی اور نصف پیداوار کے بدلے اجارے پر دے سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا، جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ منحہ کے طور پر دے دے، اگر اس کو انکار ہو تو یونہی روک رکھے۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے اس حدیث سے غالباً اس لئے صرف نظر کیا کہ اس سے صاف طور پر ان کے مقصد کی نفی اور تردید ہوتی تھی۔ امام بخاری نے یہ حدیث اس باب میں اس مناسبت سے بیان فرمائی ہے کہ اس میں "او لیمنحہا اخاہ" کے الفاظ تھے۔

بہرحال حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث جو ڈاکٹر معصومی صاحب نے صحیح البخاری سے کراء الارض بالذہب والفضۃ کے جواز میں پیش کی ہے کراء الارض سے متعلق نہیں بلکہ مزارعت سے متعلق ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کو "باب کراء الارض بالذہب والفضۃ" میں بیان نہیں فرمایا بلکہ "باب المزارعت بالجزء" میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ شارح بخاری حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث پیچھے باب المزارعت میں گزر چکی ہے، یعنی یہ کراء الارض بمعنے مزارعت سے متعلق ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ حدیث کراء الارض بالذہب والفضۃ سے متعلق ہوتی تو اس کے واحد راوی حضرت طاؤس اس کے عدم

جواز کے قائل نہ ہوتے حالانکہ سب نے لکھا ہے اور خود ڈاکٹر صاحب نے بھی نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت طاؤس کراء الارض بالذھب والفضۃ کو قطعاً ناجائز اور حرام کہتے تھے۔ اس کے باوجود اگر ڈاکٹر معصومی صاحب کو اس پر اصرار ہو کہ یہ حدیث کراء الارض بالنقدین سے متعلق ہے تو پھر ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ جس حدیث کا واحد راوی اپنی روایت کردہ حدیث کی مخالفت کر رہا ہو اس کی استنادی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ اور پھر اس پر بھی تعجب ہے کہ ڈاکٹر معصومی صاحب ایک حدیث ابن عباس کی بنا پر کراء الارض کو خلاف تقویٰ لکھتے ہیں اور پھر اس کے جواز پر اس انداز سے بحث کرتے ہیں گویا کہ یہ حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے اور اس کو ترک کر دینا تقویٰ سے محروم ہو جانے کے مترادف ہے۔

اب مضمون کے اس حصّے کی طرف آتا ہوں جو ڈاکٹر موصوف نے مزارعت کے جواز سے متعلق لکھا ہے۔ اس میں دراصل ڈاکٹر صاحب نے سب کی سب وہی باتیں دہرادی ہیں جو دوسروں نے مزارعت کے جواز سے متعلق لکھی ہیں بلکہ میں خود ان کو اپنے مضمون میں نقل کر کے ان کی حقیقت واضح کر چکا ہوں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے یہ مضمون میرے مضمون کے بعد بلکہ جواب میں لکھا لہٰذا انہیں چاہیئے تھا کہ میں نے جو کچھ لکھا اس کا علمی طریقہ سے ابطال کرتے اور دلائل کے ساتھ بتاتے کہ میں نے استدلال میں کہاں کیا غلطی کی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے یہ بتاتے کہ میں نے معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن حکیم کا جو اصولی تصور پیش کیا ہے اور اس کے تحت مزارعت کو ناجائز قرار دیا ہے وہ کن وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں اور اس کے مقابلہ میں دوسرا صحیح اصولی تصور کیا ہے جس کی رو سے مزارعت جائز قرار پاتی ہے۔ اسی طرح پھر یہ واضح کرتے کہ میں نے اصول الحدیث کی روشنی میں احادیث مزارعت پر جو بحث کی اور عدم جواز والی احادیث کو جواز والی احادیث پر ترجیح دے کر زیادہ قابلِ اعتماد اور لائقِ استدلال ثابت کیا ہے وہ کن دلائل کی بنا پر غلط ہے اور کہاں کیا غلطی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے کہ جواز والی احادیث کو عدم جواز والی احادیث پر کن وجوہ کی بنا پر ترجیح ہے، اسی طرح میں نے آثار صحابہؓ اور اقوال تابعینؒ پر جو بحث کی ہے اس کی نسبت بتاتے کہ وہ کیوں اور کن دلائل کی وجہ سے

صحیح نہیں، نیز یہ لکھتے کہ میں نے مزارعت کے جواز وعدم جواز کے بارے میں جو عقلی اور قیاسی دلائل پیش کئے وہ کیوں صحیح نہیں اور ان میں کہاں کیا سقم اور کیا ضعف ہے۔ لیکن محترم ڈاکٹر معصومی صاحب نے بحث و تحقیق کے متعارف اور علماء و عقلاء کے نزدیک صحیح اور معقول طریقہ کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز کیا بلکہ الٹا اس کو غیر معقول کہا۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے اس بحث میں جو طریقہ اختیار کیا ہے نہ وہ تحقیقی ہے اور نہ تقلیدی۔ تحقیقی اس لئے نہیں کہ وہ حقیقت حال کو سمجھنے سمجھانے کے لئے نفس دلائل کی بجائے اشخاص کے فہم پر اعتماد کرتے ہیں، اور تقلیدی اس لئے نہیں کہ وہ ان کی تقلید نہیں کرتے جن کی کرنی چاہیئے یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ، اور ان کی کرتے ہیں جو خود ائمہ مجتہدین کے مقلد ہیں جیسے علامہ طحاویؒ، ابن قدامہؒ اور علامہ نوویؒ وغیرہ۔

مثال کے طور پر معاملۂ خیبر کو لیجیئے۔ جہاں تک عقلی و نقلی دلائل کا تعلق ہے یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ اسلامی حکومت اور غیر مسلم ذمی رعایا کے درمیان سیاسی نوعیت کا معاملہ ہے میں نے اپنے مضمون میں اس پر کئی دلائل پیش کئے ہیں لیکن معصومی صاحب نے ان دلائل کو اس طرح نظر انداز کیا کہ گویا پڑھا ہی نہیں اور بعض علماء کی تقلید میں بار بار یہ دہرایا کہ یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا۔ چلیئے اگر یہود خیبر سے یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا تو پھر اس کا کیا جواب ہے کہ یہود جب تک خیبر میں رہے ان سے سوائے نصف پیداوار کے اور کچھ نہیں لیا گیا حالانکہ ذمیوں سے جزیہ لینے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اب اگر پیداوار کا یہ نصف حصہ جزیہ اور خراج کے طور پر نہ تھا بلکہ بطور مزارعت کے تھا تو پھر قرآنی حکم کے تحت ان ذمیوں سے جزیہ و خراج کیوں نہیں لیا گیا؟ اور اگر وہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے تو پھر عہد فاروقی میں ان کو خیبر سے جلاوطن کرنے کے بعد ان سے جزیہ کیوں وصول کیا گیا؟ (۲) اسی طرح اگر یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا سیاسی نوعیت کا معاملہ نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اراضی خیبر کے مالک اور یہود مزارعین تھے تو پھر یہ معاملہ حکومت کے ذریعے کیوں طے ہوا اور ختم بھی حکومت کے ذریعے کیوں ہوا؟ اور کیوں حکومت کا نمائندہ خیبر جا کر مجموعی پیداوار کا تخمینہ لگاتا اور نصف حصہ وصول کرتا رہا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ

اراضی خیبر کی مالک حکومت تھی تو پھر کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ ذرائع پیداوار کی ملکیت کا حق حکومت کو حاصل ہے وہ ان میں مفادِ عامہ کے تحت جو چاہے تصرف کر سکتی ہے؟ اور اگر حکومت مالک تھی تو یہود کو خیبر سے نکالتے وقت حکومت نے یہودیوں کو معاوضہ کیوں ادا کیا جس کی تفصیل بعض روایتوں میں ہے؟ (۳) اگر یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو اس میں مسلمانوں کی طرف سے یہ کیوں کہا گیا کہ مدت کا تعین نہیں ہم جب تک چاہیں گے اسے برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے یکطرفہ طور پر ختم کر دیں گے حالانکہ جو لوگ مزارعت کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کی صحت کی شرائط میں سے ایک شرط مدت کا تعین ہے؟ (۴) اگر یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو اس معاملہ کی حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن عمر نے رافع بن خدیج سے حدیث ممانعت سن کر مزارعت کو کیوں ترک کیا اور کیوں اس کے عدم جواز کے قائل ہوئے اور اس کے دوسرے راوی حضرت عبداللہ بن عباس نے مزارعت کو ایک مکروہ اور خلاف اولیٰ معاملہ کیوں کہا اور کیوں اس سے منع کرتے تھے۔ جس معاملہ کو خود رسول اللہ صلعم نے کیا اور آخر دم تک اس پر قائم رہے اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر فاروقؓ نے کافی عرصہ تک اسے برقرار رکھا اور اس پر عمل کیا اس لحاظ سے اس کی حیثیت تو ایک اعلیٰ سنت کی ہو جاتی ہے پھر بھلا اسے عبداللہ بن عمر جیسے عاشق سنت کیسے ترک کر سکتے اور ناجائز کہہ سکتے تھے، اور اسے عبداللہ بن عباس کیسے خلاف اولیٰ اور غیر مستحب کہہ سکتے تھے؟ کیا ان حضرات کا ایسا کرنا اور کہنا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ ان کے نزدیک معاملۂ خیبر، مزارعت کا معاملہ نہ تھا؟ اسی طرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ معاملہ، مزارعت کا معاملہ تھا تو صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت جس میں حضرت جابر، حضرت رافع، حضرت زید بن ثابت، حضرت ثابت بن الضحاک، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت سعد بن ابی وقاص شامل ہیں، اور اکابر تابعین کی ایک جماعت جس میں سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبداللہ، مجاہد، عطاء، شعبی، ابراہیم النخعی، حسن بصری، مکحول، محمد بن سیرین اور محمد بن قاسم شریک ہیں اور پھر ائمہ مجتہدین کی جماعت جس میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی شامل ہیں ان تمام نے مزارعت کو کیوں ناجائز کہا جبکہ ان سب کو اچھی طرح علم تھا کہ رسول اللہ صلعم نے

یہود خیبر سے نصف پیداوار پر معاملہ کیا اور حضرات شیخین کا بھی اس پر عمل رہا۔ غور فرمائیے اگر ان کے نزدیک یہ معاملہ مزارعت کا ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ مزارعت کو ناجائز کہتے؟

امام ابوحنیفہ سے تو صاف منقول ہے کہ وہ معاملہ خیبر کو خراج مقاسمت کا معاملہ فرماتے تھے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری کی جلد پانچ صفحہ ۲۷ پر امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی یہ تاویل صحیح ہے اور پھر اس کی تائید میں علامہ ابوبکر جصاص کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے جو انہوں نے مختصر الطحاوی کی شرح میں لکھی ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ کی رائے کے حق میں دلائل پیش کئے گئے ہیں اور مخالف رائے کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے کے متعلق یہ کہنا کہ وہ حدیث خیبر کے خلاف ہے انتہائی نادانی کی بات ہے، حدیث خیبر جب مذکورہ دلائل کی بنا پر مزارعت سے متعلق ہی نہیں تو امام اعظم کی رائے حدیث کے خلاف کیسے ہوگی۔ اور پھر جب وہ ذمیوں سے خراج مقاسمت کو جائز قرار دیتے ہیں تو اسی حدیث خیبر کی بنا پر تو جائز قرار دیتے ہیں لہذا ان کا اس حدیث پر عمل ہے۔ اصل بحث حدیث خیبر کو ماننے نہ ماننے سے متعلق نہیں بلکہ اس سے متعلق ہے جو اس حدیث سے سمجھا گیا ہے۔ کس کا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور کس کا غلط ہے اس کا فیصلہ دوسرے دلائل اور شخصی اعتماد پر ہی ہو سکتا ہے۔ جس کو امام ابوحنیفہ کے دلائل اور ان کے فہم و تفقہ پر اعتماد ہو وہ ان کے مطلب کو صحیح سمجھے گا اور جس کو کسی دوسرے کے فہم پر اعتماد ہو وہ اس کے مطلب کو صحیح مانے گا۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے حدیث خیبر کی بنا پر مزارعت کو جائز کہنے کے بعد پھر ان تاویلوں کو دہرایا ہے جو نہی مزارعت والی احادیث کے متعلق ہمیشہ ان حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی رہی ہیں جنہوں نے حدیث خیبر کی بنا پر مزارعت کو جائز سمجھا۔ ان میں سے ایک تاویل یہ کہ نہی کا تعلق مطلق مزارعت سے نہیں بلکہ اس کی ان خاص شکلوں سے ہے جو غلط شرائط کی وجہ سے موجب نزاع بنتی ہیں۔ اور دوسری تاویل یہ کہ نہی سے مراد نہی تحریم نہیں بلکہ نہی کراہیت ہے۔ لیکن میرے ان دلائل کا کوئی جواب نہیں دیا جن کی بنا پر میں نے اپنے مضمون میں ان تاویلوں کو غیر صحیح اور باطل ثابت کیا ہے۔

ڈاکٹر معصومی صاحب نے جوازِ مزارعت کی بحث میں کچھ باتیں علامہ طحاوی کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار سے نقل فرمائی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں علامہ طحاوی کے بعد جس نے بھی جوازِ مزارعت پر لکھا ہے اس نے علامہ موصوف کی تاویلوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ لہٰذا اس پر تبصرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ علامہ طحاوی کا حنفی محدثین وفقہاء میں نہایت بلند اور ممتاز مقام ہے۔ آپ حنفی مذہب کے زبردست حامی اور بقول شخصے بیرسٹر ہیں۔ اختلافی مسائل میں وہ حنفی موقف کو راجح اور اصح ثابت کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور استدلال کا پورا زور صرف فرمادیتے ہیں۔ چونکہ مزارعت کا مسئلہ بھی اختلافی مسئلہ تھا امام ابوحنیفہ اور امام زفر اگرچہ مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے لیکن امام محمد شیبانی اور قاضی ابو یوسف نے اسے جائز کہا اور پھر خاص حالات کی وجہ سے ان کا قول ایسا مشہور ہوا کہ حنفی مذہب بن کر رہ گیا۔ دوسری طرف امام مالک، امام شافعی، اور ان کے شاگرد متفقہ طور پر اس کے عدم جواز کے قائل ہوئے لہٰذا علامہ طحاوی نے اس مسئلہ پر جو بحث فرمائی اس میں ان کا مخصوص انداز کارفرما نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ بھی امام مالک اور امام شافعی سے متفق تھے اس لئے ان کے دلائل کو بھی آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے بحث تقریباً معتدل رہی اور آخر میں علامہ طحاوی کو لکھنا پڑا کہ جہاں تک نظر صحیح اور عقل کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہ کا مسلک درست ہے، صاحبین نے احادیث وآثار کی بناپر اس کے خلاف موقف اختیار کیا اور جوازِ مزارعت کے قائل ہوئے۔ شرح معانی الآثار کی وہ عبارت یہ ہے:۔ فقد ثبت بالنظر الصحیح ان لا یجوز المساقاۃ ولا المزارعۃ الا بالدراہم والدنانیر وما اشبہما من العروض وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ فی ھذا الباب، واما ابو یوسف ومحمد بن الحسن فذھبا الی جوازھما جمیعا وترکا النظر فی ذلک واتبعا ما قد روینا فی ھذا الباب من الآثار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اصحابہ (ص ۲۶۲-۲۶۳ جلد دوم۔)

علامہ طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار کے باب المزارعۃ میں احادیث مزارعت پر جو بحث فرمائی ہے وہ یہ کہ پہلے انہوں نے حضرت رافع بن خدیج کی احادیث تیرہ مختلف سندوں

سے نقل فرمائی ہیں جن کے متون سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک یہ کہ یہ احادیث بلحاظ اصل ایک حدیث نہیں جس کو مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں بیان کر دیا ہو، بلکہ متعدد اور کم ازکم دو ضرور ہیں، ایک وہ جو حضرت رافع نے اپنے چچاؤں کے واسطہ سے روایت کی جس کے آخری الفاظ ہیں، "من کانت له ارض فلیزرعها او یزرعها اخاه ولا یکریها بالثلث ولا بالربع ولا بطعام مسمی" اور دوسری وہ جو حضرت رافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اس وقت سنی جب وہ اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے اور رسول اللہ صلعم کا وہاں سے گزر ہوا، جس کے آخری الفاظ ہیں: "اربیت فرد الارض علی اهلها وخذ نفقتك" اور دوسری یہ کہ مزارعت یعنی زمین کو پیداوار کے ایک حصہ پر دینا ناجائز اور ممنوع ہے۔

اس کے بعد دو طریقوں سے حضرت ثابت بن الضحاک کی حدیث نقل فرمائی ہے۔ وہ اس طرح کہ عبد اللہ بن السائب نے عبد اللہ بن مغفل سے مزارعت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ ثابت بن الضحاک نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا" ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن المزارعة" ظاہر ہے کہ جب عبد اللہ بن مغفل سے سوال مطلق مزارعت کے متعلق کیا گیا تو اس نے جو جواب دیا وہ بھی مطلق مزارعت ہی کے متعلق ہو سکتا ہے۔ پھر حضرت جابر بن عبد اللہ کی احادیث آٹھ مختلف طریقوں سے نقل فرمائیں جن کے متون سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی باعتبار اصل دو حدیثیں ہیں جن کو راویوں نے مختلف لفظوں سے روایت فرمایا ہے۔ ایک وہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کے سامنے خطبہ میں بیان فرمائی وہ یہ کہ:۔

عن جابر بن عبد الله قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال من كانت له ارض فليزرعها او يزرعها اخاه ولا يواجرها	حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کیلئے دیدے اور اسے کرائے اور اجارے پر نہ دے۔
(ص ۲۵۷۔ ج ۲۔ طحاوی)	

یہ حدیث چونکہ خطبہ میں بیان فرمائی گئی لہذا حضرت جابر کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی، رافع بن خدیج کے دو چچاؤں نے بھی جو بدری صحابی ہیں روایت کی۔ اور دوسری

وہ حدیث جس کے الفاظ ہیں:۔ من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ، اور جو مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلعم نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آیت ربا:۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ نازل ہوئی جو بالاتفاق مدنی زندگی کے بالکل آخر میں نازل ہوئی۔ حضرت جابر کی ان آٹھ طریقوں سے بیان کردہ احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مزارعت کی ہر شکل ممنوع و ناجائز ہے۔

اس کے بعد علامہ طحاوی نے نہی مزارعت کی ان احادیث میں نہایت کمزور احتمالات کی بنا پر جو تاویلیں فرمائی ہیں ان کو وہی شخص صحیح مان سکتا ہے جس نے پہلے یہ قطعی طور پر طے کر لیا ہو کہ مزارعت فی نفسہ ایک جائز اور درست معاملہ ہے۔ مثلاً حضرت ثابت بن الضحاک کی حدیث میں یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس میں مزارعت سے مراد مطلق مزارعت نہ ہو بلکہ اس کی کوئی فاسد شکل مراد ہو، حالانکہ اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر اگر عبداللہ بن مغفل کا فہم صحیح ہے تو اس حدیث میں مزارعت سے مراد مطلق مزارعت ہی ہو سکتی ہے کیونکہ انہوں نے مطلق مزارعت کے متعلق سوال کے جواب میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

اسی طرح حضرت جابر کی احادیث میں جو مزارعت اور کراء الارض کی ہر شکل کی ممانعت میں نصِ محکم کا درجہ رکھتی ہیں یہ تاویل کرنا کہ ان میں جس مزارعت اور کراء الارض کی ممانعت ہے وہ مطلق مزارعت اور کراء الارض کی نہیں بلکہ اس کی خاص شکلوں کی ہے جو غلط شرائط کی وجہ سے باعثِ نزاع بنتی ہیں تو یہ ایسی تاویل ہے جس سے حضرت جابر کی احادیث صاف انکار کرتی ہیں اور عقلاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثلاً حضرت جابر کی اس حدیث کو لیجئے جو خود علامہ طحاوی نے نقل کی ہے اور صحاح ستہ میں بھی موجود ہے:

عن جابر بن عبد اللہ قال کان لرجال منا فضول ارضین علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا یواجرونہا	حضرت جابر نے کہا کہ عہد رسالت میں ہم میں سے کچھ اشخاص کے پاس فاضل زمینیں تھیں اور وہ انکو نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض

علی النصف والثلث والربع، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کانت لہ ارض فلیزرعھا او یمنح اخاہ فان ابی فلیمسک (ص، ۲۵۔ ج۔ ۲ طحاوی)	اجارہ پر دیتے تھے، پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو مفت بلامعاوضہ دیدے پس اگر ایسا نہیں کرتا تو اس زمین کو روک رکھے۔

اس حدیث کے دونوں حصوں سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت ناجائز ہے کیونکہ اس کے پہلے حصہ میں صاف طور پر اس کا بیان ہے کہ لوگ نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار پر زمینیں لیتے دیتے تھے اور رسول اللہ صلعم نے اس سے روکا، اور روکنے کے لئے جو الفاظ ارشاد فرمائے ان کا اسلوب وعظ کا نہیں، قانون کا ہے، مطلب یہ کہ آپ نے زمین کے متعلق ایک قانونی ضابطہ بیان فرمایا، کہ (۱) مالک زمین خود کاشت کرے۔ ۲۔ خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو بطور منحہ دیدے (۳) اگر ایسا بھی نہیں کرتا تو پھر اس زمین کو بلا کاشت اپنے پاس روک رکھے۔ اس قانونی ضابطے کی تیسری شق سے مزارعت اور کراء الارض کی ہر شکل ممنوع ثابت ہوتی ہے اور اس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ علامہ طحاوی نے اپنی تاویل کیلئے جن دو چیزوں کا سہارا لیا ہے غور سے دیکھا جائے تو ان سے سہارا نہیں ملتا، پہلی چیز یہ کہ چونکہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کو کسی فریق نے نہیں مانا لہٰذا ظاہری مفہوم ساقط الاعتبار ہے۔ اسکے متعلق یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس چیز کو رد و قبول کا معیار بنایا جائے تو پھر فریقوں کی بجائے بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کو اس کا معیار بنانا چاہیئے اور چونکہ یہ واقعہ ہے کہ امت کے ایک حصہ نے مزارعت کو ممنوع مانا اور دوسرے حصہ نے نقد کراء الارض کو ممنوع قرار دیا لہٰذا امت مسلمہ کا بحیثیت مجموعی حضرت جابر وغیرہ کی ایسی احادیث پر عمل رہا تو پھر انکو ساقط الاعتبار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ دوسری چیز جس سے علامہ طحاوی نے سہارا لیا ہے حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے جسے انہوں نے تین سندوں سے بیان کیا ہے اور تینوں کے متون کے الفاظ مختلف ہیں اور اس حدیث کے واحد راوی حضرت ابو الزبیر ہیں وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے ــــــ:

(۱) عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغہ ان رجالا یکرون مزارعھم بنصف ما یخرج منھا وبثلثہ و	ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلعم کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ لوگ اپنے کھیت، نصف پیداوار اور تہائی پیداوار اور

بالماذيانات، فقال في ذالك رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له ارض فليزرعها فان لم يزرعها فليمنحها اخاه فان لم يفعل فليمسكها۔ (ص ۲۵۸ ۔ج ۲ ۔طحاوی)

نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے عوض کرائے پر دے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا جس کے پاس زرعی زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے اگر خود نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو منحہ کے طور پر دے دے، اور اگر ایسا بھی نہیں کرتا تو اپنے پاس روک رکھے۔

(۲) عن ابی الزبیر سمعت جابر بن عبد الله يقول كنا في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ الارض بالثلث او الربع بالماذيانات، فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك (بحوالہ مذکورہ)

ابوالزبیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر کو یہ کہتے سنا کہ ہم رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں زمین لیتے تھے تہائی یا چوتھائی کے بدلے بشمول نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے، پس رسول اللہ صلعم نے اس سے منع فرما دیا۔

(۳) عن ابی الزبیر عن جابر قال كنا نخابر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فنصيب كذا وكذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له ارض فليزرعها او ليمنحها اخاه الا فليدعها۔ (ص ۲۵۸ ۔ج ۲ ۔معانی الآثار للطحاوی)

حضرت ابوالزبیر سے روایت ہے کہ حضرت جابر نے کہا ہم عہد رسالت میں زمین مخابرت پر دینے لیتے تھے پس پاتے تھے ایسا اور ایسا اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا جسکے پاس زمین ہو وہ اس کو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو استعمال کے لئے مفت دے دے ورنہ اس کو چھوڑ دے۔

علامہ طحاوی کی کتاب مشکل الآثار میں دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: كنا في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ الارض بالثلث والربع وبالماذيانات فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك۔ یعنی اَو کی بجائے واؤ، اور بالماذیانات سے پہلے واؤ عاطفہ ہے اس لحاظ سے پہلی اور دوسری روایت کے الفاظ یکساں ہیں۔ البتہ پہلی روایت میں ان الفاظ کی تفصیل ہے

جو رسول اللہ صلعم نے نہی کے لئے بیان فرمائے، جبکہ دوسری روایت میں نہی کا ذکر تو ہے لیکن نہی کے الفاظ مذکور نہیں، اور تیسری حدیث کا پہلا حصہ مجمل ہے یعنی مخابرۃ کا ذکر تو ہے لیکن اس کی شکل کی تفصیل نہیں البتہ اس میں پہلی روایت کی طرح نہی کے الفاظ مفصل ہیں۔ ابوالزبیر کی اس حدیث کو علامہ طحاوی نے جس مطلب کے لئے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ حضرت جابر کی احادیث میں مزارعت کی جو نہی ہے وہ نفس مزارعت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی خارجی خرابی کی وجہ سے ہے حالانکہ اس حدیث کی تینوں روایات میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ مطلب نکلتا ہو۔ ان تین روایتوں میں مزارعت کی چار شکلوں کا ذکر اور ان کی ممانعت کا بیان ہے۔ ایک زمین کو نصف پیداوار پر دینا، دوم تہائی پیداوار پر، سوم چوتھائی پیداوار پر اور چہارم اس پیداوار کے بدلے جو پانی کی نالیوں کے آس پاس اُگتی ہے۔ اور پھر ان روایات میں نہی کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ ہیں ان میں عموم اور وسعت ہے۔ اُن سے جس طرح ان مذکورہ چار شکلوں کی ممانعت صراحتاً ثابت ہوتی ہے اسی طرح کراء الارض کی دوسری تمام شکلوں کی ممانعت بھی اجمالی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ وہ ایک قاعدہ کلیہ ہے: جس کے پاس زمین ہو وہ اُسے خود کاشت کرے، خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو بلا کسی معاوضہ استعمال کرنے کے لئے دے دے، اگر ایسا نہیں کرتا تو فليمسكها، اُسے روک دے (یہ الفاظ پہلی روایت کے ہیں) الا فليدعها، ورنہ اس کو چھوڑ دے، یہ الفاظ تیسری روایت کے ہیں، یہ قانونی ضابطہ صرف تین شقوں پر منحصر نہیں ہے، اور اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مالک زمین کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی زمین پیداوار کے کسی حصہ پر دوسرے کو دے۔

غرض کہ حضرت جابر سے روایت کردہ ابوالزبیر کی وہ حدیث جس کو علامہ طحاوی نے تین طرق سے بیان کیا ہے اس میں اس مطلب کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے اس کی کسی ذاتی بُرائی کی وجہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ خارجی برائی یعنی کسی غلط شرط کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اس مطلب کو حضرت ابوالزبیر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اُس حدیث کے بھی راوی ہیں جس میں فرمایا گیا ہے: من لم يذر المخابرة فليؤذن بحرب من

اللہ ورسولہ - اور اگر کوئی اس میں یہ تاویل کرے کہ مخابرۃ سے مراد مطلق مخابرۃ نہیں بلکہ اس کی کوئی خاص شکل ہے تو یہ تاویل ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی یہ کہے کہ قرآن کی آیت احل اللہ البیع وحرم الربوا، اور یمحق اللہ الربوا، اور ذروا مابقی من الربوٰ، میں ربوٰ سے مراد مطلق ربا اور ربا کی ہر شکل نہیں بلکہ اس کی کوئی خاص شکل ہے۔

اس کے بعد علامہ طحاوی نے نہایت ضعیف احتمال کی بنا پر حضرت رافع بن خدیج کی احادیث میں بھی اسی قسم کی تاویل فرمائی ہے جس کو صرف وہی شخص تسلیم کرسکتا ہے جس نے پہلے یہ یقین کر رکھا ہو کہ مطلق مزارعت جائز ہے۔ اس تاویل کے لئے بھی علامہ موصوف نے حضرت رافع کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے جس کے حضرت رافع سے روایت کرنے والے حضرت حنظلہ بن قیس ہیں۔ اس حدیث کو دو طریقوں سے نقل کیا گیا اور دونوں طریقوں کے متنوں میں اختلاف ہے، یہ دکھانے کے لئے کہ علامہ طحاوی نے اس حدیث سے جو مطلب لیا ہے اس کی اس حدیث میں کہاں تک گنجائش ہے اس حدیث کے الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے:

۱۔ عن حنظلۃ بن قیس عن رافع بن خدیج قال کنا بنی حارثۃ اکثر اھل المدینۃ حقلا وکنا نکری الارض علی ان ما سقی الماذیانات والربیع فلنا، وما سقت الجداول فلھم فربما سلم ھذا وھلک ھذا، وربما ھلک ھذا وسلم ھذا ولم یکن عندنا یومئذ ذھب و لا فضۃ فنعلم ذلک فسألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فنھانا۔ (ص ۲۵۸ - ج ۲ - طحاوی)	حضرت حنظلہ بن قیس نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا یہ کہ ہم بنی حارثہ کے لوگ مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتوں والے تھے اور ہم اپنی زمین دیا کرتے تھے اس معاہدہ پر کہ پانی بہنے کی جگہ اور نالیوں کے آس پاس کی پیداوار ہمارے لئے ہوگی اور باقی حصہ کی کاشتکار کے لئے، پھر کبھی اس حصہ کی پیداوار ٹھیک اور اس حصہ کی خراب اور کبھی اس کے برعکس ہوتا اور ہمارے پاس اس وقت سونا چاندی نہیں تھا کہ ہم اس کو جانتے، ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا تو آپ نے منع فرمایا۔

۲۔ عن حنظلۃ بن قیس انہ سمع رافع بن خدیج یقول کنا اکثر اهل المدینۃ حقلا وکنا نقول للذی نخابرہ لک هذہ القطعۃ ولنا هذہ القطعۃ تزرعها لنا، فربما اخرجت هذہ القطعۃ ولم تخرج هذہ شیئا، وربما اخرجت هذہ ولم تخرج هذہ شیئا فنهانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فاما بالورق فلم ینهنا عنہ۔	حنظلہ بن قیس سے روایت ہے کہ اس نے رافع بن خدیج سے سنا کہ ہم اہل مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتوں والے تھے۔ ہم جس کو زمین مخابرت پر دیتے تو کہتے تھے کہ زمین کا یہ ٹکڑا تمہارے لئے اور یہ ہمارے لئے، تم اسے کاشت کرو، پھر کبھی یہ ٹکڑا پیداوار نکالتا اور یہ کچھ نہ نکالتا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا، پس منع فرمایا رسول اللہ صلعم نے اس سے، رہا بعوض نقدی کے پس اس سے ہمیں منع نہیں فرمایا۔

یہ دو حدیثیں جو دراصل ایک ہی حدیث ہیں ان میں پہلے کراء الارض اور مخابرت کی ایک خاص شکل کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ مالک زمین کاشت کار سے یہ طے کرتا تھا کہ تم میری زمین کاشت کرو اس کے اس حصے کی پیداوار میرے لئے ہوگی اور اس حصہ کی تمہارے لئے، پھر اس شکل سے نہی کا ذکر ہے لیکن نہی کے وہ الفاظ مذکور نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے، نیز ان دونوں روایتوں میں اس کا بھی بطور خاص ذکر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کراء الارض بالذهب والفضۃ سے منع نہیں فرمایا۔ حضرت حنظلۃ بن قیس کی یہ حدیث صحاح ستہ میں بھی مختلف اسناد اور مختلف متون سے بیان کی گئی ہے، مثلاً صحیح المسلم کی ایک روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن حنظلۃ بن قیس انہ سأل رافع بن خدیج عن کراء الارض فقال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء الارض، قال فقلت أبالذهب والورق، فقال اما بالذهب والورق فلا بأس بہ (صحیح المسلم)	حنظلہ بن قیس نے بیان کیا کہ اس نے حضرت رافع سے کراء الارض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے اس سے روکا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ سونے چاندی کے بدلے کراء الارض کا کیا حکم ہے تو حضرت رافع نے فرمایا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

اور سنن نسائی میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں :

عن حنظلة بن قيس قال سالت رافع بن خديج عن كراء الارض فقال نهلى رسول الله عن كراء الارض. قلت: بالذهب و الورق فقال لا، انما نهلى عنها بما تخرج الارض منها، فاما بالذهب والفضة فلا بأس - (ص ۱۴۵ - ج ۲)	حنظلہ بن قیس سے روایت ہے کہا کہ میں نے رافع بن خدیج سے کراء الارض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلعم نے کراء الارض سے منع فرمایا ہے، میں نے کہا سونے چاندی کے بدلے کیسا ہے کہا کہ اُس سے منع نہیں فرمایا، آپ نے تو صرف زمین کی پیداوار کے بدلے کراء الارض منع فرمایا ہے. چنانچہ سونے چاندی کے عوض کچھ حرج نہیں۔

بہرحال حضرت حنظلہ کی روایات میں جو بات نہایت واضح ہے وہ یہ کہ زمین کی کسی پیداوار کے بدلے کراء الارض ممنوع ہے اور نقد کے بدلے ممنوع نہیں لیکن اس کی کسی روایت میں بھی نہی کے وہ الفاظ مذکور نہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، جب کہ حضرت رافع بن خدیج سے روایت کرنے والے دوسرے راویوں کی احادیث میں نہی کے الفاظ واضح طور پر مذکور ہیں، مثلاً مجاھد، سلیمان بن یسار، ابوالنجاشی مولی رافع بن خدیج اور اسید بن ظہیر، خود علامہ طحاوی نے ان کی جو احادیث بیان کی ہیں اُن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا واضح ذکر ہے. مثلاً حضرت حنظلہ کی مذکورہ دو حدیثیں بیان کرنے کے بعد حضرت سلیمان بن یسار کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے اُس میں رسول اللہ صلعم کے الفاظ یہ ہیں :

قالُ. من كانت له ارض فليمنحها اخاه ولا يكريها بثلث ولا بربع ولا بطعام مسمى۔

جس کے پاس فاضل زمین ہو چاہیئے کہ وہ اُسے اپنے بھائی کو مفت برتنے کے لئے دے دے، تہائی، چوتھائی پیداوار اور غلہ کی مقررہ مقدار کے بدلے کرائے پر نہ دے. ظاہر ہے کہ نہی کے جو الفاظ حضرت رافع نے مجاھد، سلیمان بن یسار، ابوالنجاشی مولی رافع اور اسید بن رافع سے بیان کئے ہیں وہی الفاظ حنظلہ والی روایت کے بھی ہو سکتے ہیں، جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زمین کو پیداوار کے کسی

حصہ پر دینا قطعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ البتہ حنظلۃ بن قیس کی حدیث میں صرف اتنا اضافہ ہے کہ رافع بن خدیج کے نزدیک زمین، نقد کے عوض کرائے پر دینا ممنوع نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلعم نے اُس سے منع نہیں فرمایا۔

علاوہ ازیں اگر حنظلۃ بن قیس کی بعض روایات میں مخابرت کی ایک خاص شکل اور اس کی ممانعت کا ذکر ہے تو اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ شکل ممنوع ہے لیکن اس میں اس مطلب کی کوئی گنجائش نہیں کہ مطلق مزارعت تو جائز ہے البتہ اس کی بعض شکلیں صرف اس وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہیں کہ ان میں بعض دفعہ ایک فریق کو اپنے حصہ سے محروم ہو جانا پڑتا ہے کیونکہ اگر مذکورہ شکل کے سوا دوسری شکلوں کے جواز کی گنجائش ہوتی تو حنظلہ سونے چاندی کے عوض کراء الارض کے متعلق سوال نہ کرتے۔ یہ سوال انہوں نے اس وقت اُٹھایا جب انہیں علم ہو گیا کہ پیداوار کے عوض کراء الارض کی کوئی شکل جائز نہیں جیسا کہ صحیح المسلم اور سنن نسائی کی مذکورہ حدیثوں سے صاف ظاہر ہے۔

غرض کہ جب حضرت حنظلۃ بن قیس کی احادیث میں مذکورہ مطلب کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تو پھر ان کی بنا پر حضرت رافع سے مروی دوسری احادیث میں تاویل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ وہ مزارعت کی ہر شکل کی نہی میں دو دو چار کی طرح واضح ہیں۔

اس کے بعد علامہ طحاوی نے مذکورہ مطلب کی تائید میں حضرت زید بن ثابت کی جو حدیث نقل فرمائی ہے غور سے دیکھا جائے تو اُس سے بھی اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ حضرت زید بن ثابت کی اس حدیث کو نقل کیا جائے:

عن زید بن ثابت انہ قال یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ کنت اعلم بالحدیث منہ، انما جاء رجلان من الانصار الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد اقتتلا فقال: ان کان ھذا شانکم	زید بن ثابت نے فرمایا اللہ مغفرت کرے رافع بن خدیج کے لئے، میں واللہ اس کی بنسبت اس حدیث کا زیادہ علم رکھتا ہوں۔ دراصل دو انصاری رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ ان کے درمیان جھگڑا ہو چکا

فلا تکروا المزارع، فسمع قولہ : لا تکروا المزارع ۔ (ص ۲۵۹۔ج ۲۔طحاوی)

تھا، آپؐ نے ماجرا سُن کر فرمایا کہ اگر تم لوگوں کا یہ حال ہے تو پھر کھیتوں کو کرائے پر دینا ترک کر دو، پس رافع نے صرف اتنا ہی سنا کہ : لا تکروا المزارع ۔

اس روایت کے الفاظ سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت زید بن ثابت یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت رافع جس حدیث کی بنا پر مزارعت کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے قائل نہیں مجھے اس حدیث کا رافع کی نسبت زیادہ علم ہے اُسے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تکروا المزارع" فرمایا کیونکہ اس نے صرف اتنا ہی سنا ۔ اور مجھے اس کے ساتھ ساتھ وہ واقعہ بھی معلوم ہے جس کو سن کر آپؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ، دراصل انصار کے دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا تھا جنہوں نے آپس میں یہ معاملہ کر رکھا تھا آپؐ نے حقیقت حال سننے کے بعد فرمایا اگر تمہارا یہ حال ہے تو پھر کھیتوں کو کرائے پر دینا بند کر دو۔

اس بات سے حضرت زید کا مقصد حضرت رافع کی تائید کرنا ہے یا انکار و تردید؟ اس کا تعین اُس وقت ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت زید بن ثابت مطلق مزارعت کے ناجائز اور ممنوع ہونے کے قائل تھے یا مباح اور جائز ہونے کے قائل تھے ۔ اگر ممنوع اور ناجائز ہونے کے قائل تھے تو اس صورت میں مذکورہ قول سے ان کا مقصد حضرت رافع کی تائید اور اگر جائز ہونے کے قائل تھے تو مقصد انکار اور تردید ہوگا ۔ لیکن خود حضرت زید کی اپنی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مزارعت کے ممنوع ہونے کے قائل تھے ۔ وہ حدیث سنن ابی داؤد وغیرہ میں اس طرح ہے :

عن زید بن ثابت قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ ، قلت ما المخابرۃ ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع ۔ (ص ۱۲۷۔ج ۲)

حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا ۔ میں نے (یعنی زید بن ثابت کے شاگرد نے) پوچھا کہ مخابرت کا کیا مطلب ہے تو حضرت زید نے جواب دیا، تیرا زمین کو لینا نصف یا تہائی یا چوتھائی پیداوار کے بدلے ۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت کراء الارض اور مزارعت کی صرف اُن شکلوں کے عدم جواز اور ممنوع ہونے کے قائل نہ تھے جو غلط شرائط کی وجہ سے باعثِ نزاع بنتی ہیں۔ بلکہ ایسی واضح شکلوں کے ممنوع ہونے کے بھی قائل تھے جیسے نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار پہ معاملہ کی شکلیں، لہٰذا اُن کے زیرِ بحث اثر سے یہ مطلب لینا کہ ان کے نزدیک مطلق مزارعت جائز تھی ایک بالکل ناقابلِ فہم بات ہے۔

اگر اس کے باوجود کسی کو اس پر اصرار ہو کہ حضرت زید کے مذکورہ قول کا مقصد حضرت رافع کے موقف کا انکار ہے تو یہ انکار صرف اس صورت میں درست قرار پا سکتا ہے جب حضرت رافع محض اُس حدیث کی بِنا پر تحریم مزارعت کے قائل ہوں جس کا اس روایت میں ذکر ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ حضرت رافع بعض دوسری احادیث کی بِنا پر تحریم مزارعت کے قائل تھے جن کو علامہ طحاوی نے پیچھے خود نقل فرمایا ہے مثلاً ایک وہ حدیث جو انہوں نے اپنے دو چچاؤں سے سُنی جس کے آخری الفاظ ہیں: من کانت لہ ارض فلیزرعھا والا فلیمنحھا اخاہ ولا یکریھا بثلث ولا بربع ولا بطعام مسمی، اور دوسری وہ حدیث جو اُنہوں نے خود رسول اللہ صلعم سے اس وقت سُنی جب وہ اپنی کھیتی کو سیراب کر رہے تھے اور رسول اللہ صلعم کا وہاں سے گزر ہوا تھا۔ اور جس کے آخری الفاظ ہیں: اربیت یا اربیتما فرد الارض علی اھلھا وخذ نفقتک۔

علاوہ ازیں حضرت زید کی زیرِ بحث روایت میں حدیث کا یہ جو ٹکڑا ہے "ان کان ھذا شانکم فلا تکروا المزارع" سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے موجب نزاع ہونے کی وجہ سے کراء الارض کو ممنوع قرار دیا لیکن یہ کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ مطلق کراء الارض کے اندر نزاع کا مادہ موجود نہیں لہٰذا وہ ممنوع نہیں جائز ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلعم صرف وجہ نزاع یا صرف متعین طور پر کراء الارض کی موجب نزاع شکل سے منع فرماتے مطلق کراء الارض سے منع نہ فرماتے۔ پھر اس روایت میں کراء الارض کی اُس شکل کی بھی کوئی تفصیل نہیں جو دو انصاریوں کے مابین باعثِ نزاع بنی تھی لہٰذا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فلا تکروا المزارع میں کراء الارض کی جو نہی ہے اس کا تعلق صرف کراء الارض کی فلاں شکل سے ہے۔ اسی طرح نفسِ نزاع کسی معاملہ کے حرام ہونے

کا اصل سبب نہیں بلکہ اصل سبب ظلم وحق تلفی کا وہ عنصر ہے جو کسی معاملے کی ماہیت میں پایا جاتا ہے۔ نزاع، ظلم وحق تلفی کے آثار میں سے ایک اثر ہے، مثلاً قرآن حکیم کے بیان کے مطابق معاملۂ ربوٰ کے حرام ہونے کی وجہ اس کی ماہیت میں ظلم وحق تلفی کا پایا جانا ہے لہٰذا اگر رباء کا معاملہ کرنے والوں کے مابین کبھی نزاع نہ بھی ظاہر ہو تب بھی وہ حرام ہے۔

علامہ طحاوی نے اپنے مطلب کی تائید میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی بھی ایک حدیث بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:

عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی وبما یسقی بالماء مما حول البیر فنھٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک وقال اکروھا بالذھب والفضۃ۔ (ص ۲۵۹۔ ج ۲۔ طحاوی)

سعد بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ لوگ اپنے کھیت کرائے پر دیتے تھے بعوض اس پیداوار کے جو نالی کے کنارے پیدا ہوتی تھی اور بعوض اُس پیداوار کے جو کنوئیں کے آس پاس کے حصہ میں اُگتی تھی، پس رسول اللہ صلعم نے اس سے منع فرمایا اور یہ کہا کہ سونے چاندی کے عوض کرائے پر دو۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ کہ علامہ طحاوی کی مذکورہ تاویل کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اُلٹی تردید ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس حدیث میں اگرچہ پہلے مزارعت اور کراء الارض کی ایک باعثِ نزاع شکل اور اس کی ممانعت کا بیان ہے جس سے بجا طور پر یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ نہی کا تعلق مزارعت کی اس خاص شکل سے ہے نہ کہ مطلق مزارعت اور اس کی ہر شکل سے۔ لیکن حدیث کا آخری حصہ اس احتمال کی نفی کر دیتا ہے جس کا مطلب ہے پیداوار کے کسی حصہ پر زمین کرائے پر نہ دو بلکہ صرف سونے چاندی یعنی نقدی کے عوض کرائے پر دو۔

اسی طرح علامہ طحاوی نے اپنی تاویل کو سہارا دینے کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر کا جو اثر نقل فرمایا ہے اس سے بھی یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عبداللہ کے نزدیک صرف مزارعت کی غلط شکلیں ناجائز تھیں سب شکلیں ناجائز نہ تھیں۔ اور پھر اگر ایسا ہوتا تو عبداللہ بن عمر حضرت رافع سے حدیث

سن کر مطلق مزارعت اور اس کی ہر شکل کو ترک نہ کرتے حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے مطلقاً مزارعت ومخابرت کو ترک کر دیا تھا۔ اور کیا کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے صرف مزارعت کی غلط شکلوں کو ترک کیا تھا "صحیح شکلوں" کو نہیں کیا تھا، علاوہ ازیں عبداللہ بن عمر محض حضرت رافع کی حدیث کی بنا پر تحریم مزارعت کے قائل نہ ہوئے تھے بلکہ اس کے متعلق انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی ایک حدیث سنی تھی جو سنن دارقطنی میں موجود ہے :

عن عبداللہ بن عمر عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی مسیر لہ فاذا ھو بزرع تھتز فقال لمن ھذا الزرع قالوا لرافع بن خدیج فارسل الیہ وکان اخذ الارض بالنصف او بالثلث فقال انظر نفقتک فی ھذہ الارض فخذھا من صاحب الارض وادفع الیہ ارضہ وزرعہ (ص ۳۰۴ - ج ۲)	حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ نبی صلعم اپنے ایک راستے سے گزرے کہ اچانک آپ کی نگاہ ایک لہلہاتی کھیتی پر پڑی آپ نے پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے لوگوں نے بتایا کہ رافع بن خدیج کی، آپ نے اس کو بلا بھیجا، اور یہ زمین اس نے نصف یا تہائی پیداوار پر لی تھی، فرمایا دیکھو تمہارا اس زمین میں کتنا خرچہ ہوا ہے تم مالک زمین سے وہ خرچہ لے لو اور زمین مع کھیتی کے اس کے حوالے کر دو۔

محترم ڈاکٹر معصومی صاحب نے جواز مزارعت کے سلسلے میں کچھ باتیں فقہ حنبلی کی کتاب "المغنی لابن قدامہ" سے بھی نقل فرمائی ہیں۔ ان میں سے کچھ باتوں کا جواب علامہ بدرالدین عینی حنفی نے البنایہ شرح ھدایہ میں کافی شافی دیا ہے۔ دیکھئے صفحہ ۱۰۶ جلد چہارم۔ اور کچھ باتوں کا جواب میں اپنے مضمون میں نام لئے بغیر عرض کر چکا ہوں۔ صحیح البخاری کے ترجمۃ الباب میں جو آثار ہیں علامہ ابن قدامہ نے آنکھیں بند کر کے ان ہی کا حوالہ دیا ہے اور میں ان میں سے ایک ایک پر بحث کر چکا ہوں۔ اگر کسی کے نزدیک میری بحث صحیح نہیں تو وہ دلائل سے اس کو غلط ثابت کرے۔ میں اس کا نہایت ممنون ہوں گا۔

قیس بن مسلم کے اثر کی بنا پر جس کا یہ خیال ہو کہ وفات رسول اللہ صلعم کے بعد مدینہ میں مزارعت کا عام رواج تھا یہاں تک مہاجرین کا کوئی گھرانہ نہ تھا جو اس کا کاروبار نہ کرتا ہو، اُسے یہ بتانا پڑے گا

کہ امام مالک جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور مسائل کے حل میں رواج اور تعامل اہلِ مدینہ کو بڑی بنیادی اہمیت دیتے تھے بلکہ محض قولی حدیث کے مقابلہ میں تعامل مدینہ کو ترجیح دیتے تھے مزارعت کے عدم جواز کے کیوں قائل ہوئے۔ اسی طرح امام شافعی جو کافی عرصہ امام مالک کے پاس مدینہ منورہ میں مصروفِ تعلیم رہے اور اپنی آنکھوں سے مدینہ کے حالات کو دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، اگر مدینہ کے تمام لوگ مزارعت پر عمل پیرا تھے تو پھر انہوں نے مزارعت کو کیوں ناجائز کہا۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ کو بھی متعدد بار مدینہ جانے اور وہاں کے حالات دیکھنے سننے کا موقع ملا، اگر اہل مدینہ کا مزارعت پر عمل تھا اور ان کا یہ عمل ہدایتِ رسول اللہ صلعم کے مطابق تھا تو انہوں نے مزارعت کے متعلق عدم جواز کا موقف کیوں اختیار کیا۔ بہرحال جہاں تک حجاز اور مدینہ کے علماء کا تعلق ہے قاضی ابویوسف کے لکھنے کے مطابق وہ سب مزارعت کو ایک مکروہ اور فاسد معاملہ گردانتے تھے۔

وہ عبارت یہ ہے: سألت امیر المومنین عن المزارعة فی الارض البیضاء بالنصف و الثلث، فان اصحابنا من اہل الحجاز و اہل المدینة علی کراہة ذلک و افسادہ۔ (ص ۸۸۔ کتاب الخراج لابی یوسف) اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو مدینہ میں مزارعت کا رواج نہ تھا اور اگر تھا تو علماء مدینہ و حجاز کے نزدیک ناجائز اور غلط تھا۔ غرضیکہ اگر قیس بن مسلم کے اثر کو جو سند کے لحاظ سے ضعیف ہے صحیح مان لیا جائے تو پھر دو باتوں میں سے ایک کو ضرور ماننا پڑے گا۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ اہل مدینہ کا عمل قرآن و حدیث کے خلاف اور غلط تھا یا یہ کہ علمائے حجاز اور مدینہ نے اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث کے مطلب کو غلط سمجھا۔

جہاں تک مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنے کا تعلق ہے اس قیاس کو سب سے پہلے امام شافعی نے رد کیا۔ دیکھئے کتاب الام۔ اسی طرح علامہ طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار میں اس قیاس کو کئی وجوہ سے غلط قرار دیا ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح اور حواشی میں بھی اس قیاس کو قیاس فاسد کہا گیا ہے۔ مثلاً حاشیہ چلپی علی العنایۃ میں لکھا ہے: ولم یذکر الجواب عن القیاس علی المضاربة لظہور فسادہ فان من شرطہ ان یتعدی الحکم الشرعی الی فرع ہو نظیرہ و ہٰہنا لیس کذلک لان معنی الاجارة فیہا اغلب حتی اشترطت فیہا المدة بخلاف المضاربة۔

(تکملۃ فتح القدیر۔ ص ۳۳۔ ج ۸)

میں نے اس قیاس کے باطل ہونے کی بعض دوسری وجوہ اپنے مضمون میں عرض کی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی عرض کیا ہے کہ مضاربت کو اجارے پر قیاس کرنا کیوں صحیح نہیں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر کوئی صاحب علمی طریقہ سے میری باتوں کو غلط ثابت کریں۔

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نہ تو مکان کرائے پر دینا ناجائز سمجھتا ہوں اور نہ اس کے کرائے کو ربا کہتا ہوں۔ کرائے اور اجارے کے متعلق قرآن وحدیث سے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ کہ ایسی تمام چیزیں کرائے پر دینا جائز ہے استعمال ہونے سے جن کی مالیت اور قیمت گھٹتی ہے اور مالک کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ مکان بھی چونکہ ایسی ہی چیزوں کے زمرہ میں آتا ہے اس لئے کہ استعمال ہوتے رہنے سے اس کی مالیت وقیمت میں مسلسل کمی واقع ہوتی ہے لہٰذا اُسے کرائے پر دینا جائز ہے۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ اسلامی عدل کی رو سے کرائے کی مقدار کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے۔ اس بارے میں میرا علم وفہم یہ ہے کہ اگر مالک اس چیز کے ساتھ کوئی دماغی جسمانی محنت ومشقت نہیں کرتا تو اس صورت میں وہ اپنی چیز کے استعمال پر صرف اتنا کرایہ وصول کر سکتا ہے جتنی کہ استعمال سے اُس چیز کی مالیت وقیمت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ لینے کا اس کے لئے کوئی جواز نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی قسم کی محنت ومشقت بھی کرتا ہے تو اُس کا بدل بھی وصول کر سکتا ہے لیکن صرف اتنا جتنا کہ وہ کسی دوسرے کو اس کا بدل دیتا۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنی ٹیکسی خود چلاتا ہے اور روزمرہ اس کی قیمت میں بیس روپے کی کمی ہوتی ہے تو بیس روپے اس کمی کے اور دس روپے یومیہ ڈرائیور کی اُجرت کے، کل تیس روپے یومیہ لے سکتا ہے۔ البتہ ایسی اشیاء جن کی مالیت وقیمت استعمال ہونے کے بعد بھی کم نہیں ہوتی ان کو کرائے پر دینا یا ان کا کرایہ وصول کرنا جائز ودرست نہیں، جیسے روپیہ پیسہ وغیرہ جو استعمال کے بعد بھی اپنے مالک کی طرف پورے کا پورا لوٹتا ہے۔